صدقۃ الفطر اور اس کے احکام ومسائل

تحریر: جناب مولانا ارشاد الحق اثری، ادارہ علوم اثریہ، فیصل آباد

روزہ صرف کھانے پینے سے بندش کا نام نہیں بلکہ لغو اور رفث سے رکنا بھی روزہ میں داخل ہے حدیث میں ہے: (من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس لله حاجة فی ان یدع طعامه وشرابه) [بخاری] ''یعنی جو شخص غلط بیانی اور برے کاموں سے باز نہ آئے، اللہ تعالیٰ کو اس کی بھوک و پیاس کی ضرورت نہیں''۔

ہر مسلمان حتی المقدور کوشش تو کرتا ہے کہ وہ روزہ کے تمام تقاضوں کو پورا کرے لیکن طبعی کمزوری کی بناء پر لغزش کا صدور بعید نہیں۔ اس لئے اس کا جبر صدقہ فطر سے ادا کرنے کا حکم ہے اور یہ اس لئے بھی کہ روزہ سے انسان تمام دن جو بھوک پیاس برداشت کرتا ہے، تو فطری طور پر اسے فقراء ومساکین کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اس میں شرف انسانیت کی کوئی رمق موجود ہو، اور عید چونکہ خوشی اور مسرت کا دن ہے اس لئے حکم دیا گیا کہ عید سے پہلے صدقہ ادا کرو تا کہ غرباء ومساکین بھی خوشی میں کماحقہٗ شریک ہوسکیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ تم تو عیش وآرام میں دن بسر کرو اور غریب بھوکا پیاسا بلبلاتا رہے۔ چنانچہ انہیں دو اسباب و وجوہ کا ذکر حضرت ابن عباسؓ نے ایک حدیث میں یوں فرمایا ہے: (فرض رسول الله ﷺ زکوة الفطر طهرة للصیام من اللغو والرفث وطعمة للمساکین) [ابوداود] ''یعنی روزے میں بعض کوتاہیاں ہو جاتی ہیں، اس لئے ان کا کفارہ ادا کرنے کا عید کے دن سے پہلے آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا تا کہ اس دن نادار لوگ بھی عید کی خوشی سے محروم نہ رہیں اور اپنے بال بچوں سمیت دوسرے لوگوں کے ساتھ عید کی مسرتوں میں شریک ہوسکیں''۔ یہی وجہ ہے کہ صدقہ فطر اگر نماز عید کے بعد ادا کیا جائے تو فریضہ ادا نہ ہوگا۔ جیسا کہ احادیث میں مروی ہے اور امام ابوحنیفہؒ کی بات کس قدر صحیح اور وزنی ہے کہ اگر صدقہ عید کے دن صبح دے تو گندم یا جَو کی بجائے آٹا دینا چاہیے تا کہ نادار لوگوں کو پینے کی بھی فکر نہ ہو اور بروقت ضروریات سے فارغ ہو کر عید کی خوشیوں میں شامل ہوسکیں۔ (میزان للشعرانی)

صدقہ کی ادائیگی کیلئے بہتر یہی ہے کہ اس کے جمع وخرچ کیلئے ایک بیت المال کے ذریعہ اجتماعی نظام قائم کیا جائے اور حق حقداروں تک پہنچ سکے اور اگر ملکی سطح پر یہ انتظام نہیں ہوسکتا تو کم از کم اپنے شہروں اور محلوں میں ہی انتظام کرنا چاہیے کہ ضرورت مندوں کی فہرست تیار کر لی جائے تا کہ ہر مستحق تک بآسانی دست تعاون بڑھایا

جا سکے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ دنیوی معاملات کیلئے قریہ قریہ اور محلّہ محلّہ پنچائتیں تو بن سکتی ہیں لیکن دینی فریضہ سرانجام دینے کیلئے کوئی کمیٹی تجویز نہیں دی جا سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اقامت صلوٰۃ کے اہتمام کے بعد زکوٰۃ اور صدقات کا بھی اجتماعی نظام قائم کر دیا جائے تو گلی کوچوں میں فقراء کی ''فوج'' ختم ہو سکتی ہے، اور موجودہ طبقاتی اضطراب و بے چینی کی جگہ سکون پیدا ہو سکتا ہے۔

ممکن ہے اہل علم کو مجھ سے اختلاف ہو لیکن میں اس کے اظہار میں باک محسوس نہیں کرتا کہ یہ طبقاتی کشمکش اور امیر و غریب میں طوفان بدتمیزی کا بڑا سبب یہی فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں صحیح سنت نبویؐ سے روگردانی ہے جبکہ **(تؤخذ من اغنیاء هم وترد علی فقراء هم)** ''کہ مال داروں کے مال میں جو حصہ زکوٰۃ مقرر کر رکھا ہے ان سے لیا جائے اور فقراء میں تقسیم کیا جائے'' کا تقاضا اسی بیت المال کی صورت میں ادا ہو سکتا ہے۔ مزید حیرانی تو جماعتی احباب پر ہے کہ مولفۃ القلوب، کے سلسلہ میں یہ حضرات احناف سے اختلاف کرتے ہیں کہ انہوں نے مصارفِ زکوٰۃ میں سے اس مد کو خارج کر دیا۔ حکومتی سطح سے ہٹ کر انفرادی طور پر وہ اس پر عامل بھی ہیں، لیکن ﴿**والعاملین علیها**﴾، کا مصرف نامعلوم کیوں آنکھوں سے اوجھل ہے؟ اسی طرح قرآن مجید کا فرمان ﴿**وفی اموالهم حق للسائل و المحروم**﴾ ''کہ ان کے مالوں میں سائلوں اور محروموں کا بھی حق ہے'' بھی اسی نظام کا مقتضی ہے۔ جبکہ سائل سے مراد وہ حاجت مند ہیں جو اپنی ضرورت کو بیان کرے اور محروم وہ جن کے متعلق کسی کو علم نہ ہو۔

قارئین کرام، ہمارے ارباب بست و کشاد اگرچہ نظام شرعی نہ لانے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور وہ اس بات کے درپے ہیں کہ جس بنیاد پر یہ کھڑے ہیں انہیں گرا دیا جائے یا کم از کم اتنا کمزور کر دیا جائے کہ چند دنوں بعد خود بخود نیچے آ گریں۔ خدارا خود ہی انہیں سنبھالنے کی کوشش کریں اور اس کے صحیح پشتیبان بنیں۔ **اللهم وفقنا لما تحب وترضی۔** ان ابتدائی گزارشات کے بعد ہم مختصراً صدقہ فطر کے ضروری مسائل کی طرف آتے ہیں۔

۱۔ صدقہ فطر ہر مسلمان پر فرض ہے چنانچہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے: **فرض رسول الله ﷺ (زکٰوۃ الفطر علی العبد والحر و الذکر والأنثٰی والصغیر والکبیر من المسلمین)** کہ آنحضرت ﷺ نے زکوٰۃ کی ادائیگی فرض قرار دی ہے۔ ہر مسلمان پر خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا، غلام ہو یا آزاد، عورت ہو یا مرد، امام مالک غیر مسلم غلام کی طرف سے بھی اس کی ادائیگی کے قائل ہیں لیکن یہ صحیح نہیں۔ اسی طرح حافظ ابن حزم کا ایک قول یہ ہے کہ بچہ اگر ماں کے پیٹ میں ہے تو اس کی طرف سے

بھی صدقہ دیا جائے۔(المحلی: ۶/۱۱۸) لیکن صفحہ ۱۴۲، میں اسی قول سے ان کا رجوع معلوم ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے کہ جنین کی طرف سے ادائیگی کا ثبوت محل نظر ہے۔

۲۔ صدقہ فطر کیلئے ملک نصاب شرط نہیں بلکہ جس کے پاس عید کے دن اپنے بال بچوں کی خوراک سے اتنا زائد موجود ہو کہ وہ ایک صاع خوردنی سے ادا کر سکے تو اس پر صدقہ کی ادائیگی ضروری ہے۔ حافظ ابن حزم اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس کے قائل تھے۔

۳۔ صدقہ نماز عید سے پہلے ادا کرنا چاہیے اور اگر بعد میں ادا کیا جائے تو فریضہ نہ ہوگا۔ اس کا حکم عمومی صدقہ کا ہوگا۔

۴۔ حتی الوسع خوردنی اشیاء دینی چاہئیں، بصورت دیگر اس کے برابر قیمت دینی بھی جائز ہے۔

۵۔ صدقہ عید سے پہلے رمضان المبارک میں ادا کرنا بھی جائز ہے۔ (صحیح بخاری)

۶۔ صدقہ فطر ایک صاع فی کس دینا چاہیے۔ خواہ کوئی جنس ہو۔ نصف صاع پر کوئی واضح دلیل نہیں اور احتیاط بھی اسی میں ہے کہ ایک صاع ہی دیا جائے۔

وزن صاع پر ایک نظر: لفظ صاع جو حدیث میں ہے وہ صاع آنحضرت ﷺ کا تھا۔ اسی سے آپؐ صدقات وخیرات وصول فرماتے۔ اسی صاع کا صاع حجازی کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس صاع عراقی، آنحضرت ﷺ کا صاع نہیں جس کا وزن آٹھ رطل ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے پیروکار علمائے احناف کا اسی پر عمل ہے لیکن یہ قطعاً صحیح نہیں۔ صاع وہی معتبر ہے، جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں مستعمل تھا۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور جمہور علماء اسی کو صحیح سمجھتے ہیں۔ بلکہ قاضی ابو یوسفؒ جب امام مالکؒ کے ہاں مدینہ طیبہ تشریف لائے تو صاع کی تحقیق پر استاذ محترم ابوحنیفہؒ سے اختلاف کرتے ہوئے صاع حجازی کو ہی صحیح قرار دیا۔ امام مالکؒ اور قاضی ابو یوسفؒ کے مابین مناظرہ کی یہ روئیداد السنن الکبریٰ للبیہقی ۴/۱۷۱ اور نصب الرایہ ۲/ ۴۲۸ میں بسند صحیح منقول ہے۔

لیکن مسعود بن شیبہ سندی کا ''کتاب التعلیم'' میں کہنا کہ امام ابوحنیفہؒ اور قاضی ابو یوسف میں وزن رطل کے بجائے اور کوئی اختلاف نہ تھا۔ قطعاً صحیح نہیں ہے جبکہ قاضی صاحب موصوف کا رجوع مشہور بین العلماء ہے اور دفاتر احادیث میں بسند صحیح موجود ہے۔ ثانیاً مسعود بن شیبہ الہندی بالکل مجہول ہے۔ اس کی اسی کتاب میں امام مالک وشافعی پر عظیم بہتان باندھے گئے ہیں جس کا اشارہ حافظ ابن حجر نے لسان المیزان ۲/۲۶ میں کیا ہے۔ شیخ کوثری

جنہیں اس سلسلہ میں بھی حافظ سے اختلاف ہے، فرماتے ہیں کہ یہ مجہول کیسے ہوسکتا ہے، عبدالقادر القرشی، بدر الدین عینی وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ التانیب ص ۳، لیکن بیچارے یہ نہیں سمجھ سکے کہ ان بزرگوں کے نزدیک وہ ''کتاب التعلیم'' کا مصنف ہے۔ اس لئے معروف ہے۔ حالانکہ محض کسی کتاب کا مصنف ہونا اس کی شہرت پر موقوف نہیں، اس کتاب کا ذکر خود حافظ ابن حجر نے بھی کیا ہے۔ بایں ہمہ اسے مجہول کہتے ہوئے فرماتے ہیں۔ **لایعرف عمن اخذ ولا من اخذ منه** ترجمہ: لہٰذا ایسے مجہول مصنف کے قول کو قابل استناد قرار دینا کیسے صحیح ہے؟

ثالثاً: صاع کے وزن کا ذکر قاضی ابو یوسف نے خود کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: **والصاع خمسة ارطال وثلث**، (کتاب الخراج:۵۳)

رابعاً: قاضی ابوعبید جو قاضی ابو یوسف کے معاصر اور غالباً ان کے تلامذہ کی فہرست میں بھی شامل ہیں، فرماتے ہیں: **(وقد كان يعقوب زمانا يقول كقول اصحابه فيه ثم رجع عنه الى قول اهل المدينة)** [کتاب الاموال:۵۱۹]

قاضی ابوعبید سے بڑھ کر اس رجوع کو جاننے والا کون ہوگا لیکن اس کے باوجود مولانا بنوری صاحب کا علامہ کوثری کی اتباع میں یہ فرمانا کہ: ''مضحکہ خیز ہے۔ اہل علم خدارا غور فرمائیں مولانا بنوری صاحب ابراہیم النخعی اور حسن بن صالح کے اقوال سے صاع فاروقی کا اندازہ تو معتبر تسلیم کرتے ہیں جبکہ حضرت عمر فاروقؓ اور ان میں بعد زمانہ ہے اور سند بھی مجہول ہے۔ لیکن امام مالک کے سامنے گواہی دینے والے حضرات کو مجہول قرار دینا ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ جب کہ رواۃ اہل مدینہ سے وہ بخوبی واقف تھے۔ جس کا خود اعتراف علامہ کوثری نے (اصول الخمسۃ للحازمی:۲۹) کے حاشیہ میں کیا ہے اور حافظ ابن حبان فرماتے ہیں: **اعرض عمن ليس بثقة فى الحديث ولم يكن يروى الاماصح ولا يحدث الا عن ثقة** [تہذیب ترجمہ مالکؒ] ''تو کیا ان تصریحات کے بعد صاع لانے والی جماعت کو مجہول قرار دینا صحیح ہے'' اور اگر ایسی صورت میں خبر مستفیض ہی قابل اعتبار ہے تو حدیث **(انما الأعمال بالنيات)** میں علقمہ کا انفراد قابل سماعت کیوں ہے؟ اسی کے ہم معنی اعتراض علامہ ابن ہمام نے کیا۔ لیکن علامہ محمد انور کاشمیری فرماتے ہیں: **ونقل اختيار ابى يوسف مع الحجاز بين مشهور وعدم اطلاع شيخ على ذكر محمد اياه ليس فيه حجة۔** [معارف السنن ۲۰۷/۱]

الغرض مسئلہ صاع میں قاضی ابو یوسف کا رجوع۔ صحیح ثابت ہے اور وہ یہ کہ صاع نبوی کا وزن ۵ رطل اور ثلث رطل ہے، اور عراقی صاع مقادیر زکوٰۃ وصدقات میں قطعاً معتبر نہیں۔ وللتفصیل موضوع آخر۔